7

ہمیشہ اپنے کاموں میں محبت اور عقل کا توازن قائم رکھو

(فرمودہ 7 مارچ 1952ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''دنیا میں عقل اور محبت کے دو نتیجے ہوا کرتے ہیں۔ عقل یہ کہتی ہے کہ جس رنگ میں کوئی سچائی پائی جائے اُسی طرح اُس کو مانا جائے۔ اور محبت یہ کہتی ہے کہ جس حد تک ہو سکے جس سے پیار ہو اُس کی طرف عیب منسوب نہ ہونے دیا جائے۔ یہ دونوں چیزیں مل کر دنیا میں امن پیدا کرتی ہیں اور انسان کے لئے ترقی کے رستے کھولتی ہیں۔ اگر خالی عقل پر ہی بنیاد رکھی جائے اور محبت اور ہمدردی کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر انسان شبہ اور وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ چلتے پھرتے دوسرے پر بدظنی کرتا رہتا ہے۔ مثلاً وہ کھانا کھائے گا تو اسے یہ وہم ہو گا کہ شاید اس میں کسی نے زہر ملا دیا ہو۔ وہ کسی کے ساتھ جا رہا ہو گا تو خیال کرے گا کہ کہیں اس کا ساتھی اس کی پیٹھ میں خنجر نہ مار دے۔ وہ سودا خریدے گا تو اسے یقین ہو گا کہ دکاندار نے اس کے ساتھ ٹھگی کی ہے اور جب یہ بات بڑھتے بڑھتے انتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو انسان جنون میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص سے کسی نے کہہ دیا درزی چور ہوتے ہیں اور یہ بات ٹھیک بھی ہے کہ یہ پیشہ ہی ایسا ہے کہ اس میں بعض کترنوں کا ضائع ہو جانا ممکن ہے۔ اور گرہ گرہ دو دو گرہ کی جو کترنیں بچ جاتی ہیں بعض لالچی درزی انہیں جوڑ کر ٹوپی یا کوئی اور معمولی چیز بنا لیتے ہیں اور اس طرح پیسے کما لیتے ہیں۔ لیکن اس بات کو اتنا وسیع کر لینا کہ کوئی درزی بھی ایماندار نہیں ہوتا

انتہا درجہ کا وہم ہے۔ بہرحال اس شخص پر کسی نے زور دیا اور کہا تم کسی درزی پر اعتبار نہ کرو درزی ضرور چور ہوتا ہے اور یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی اور اس نے سمجھا کہ اسے ہوشیار رہنے کا موقع مل گیا ہے۔ ایک دن اس نے کچھ کپڑا خریدا اور اس نے ارادہ کیا کہ اس کپڑے کی ٹوپی بنوائے۔ چنانچہ وہ ایک درزی کے پاس گیا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا اس کپڑے کی ٹوپی بن جائے گی؟ درزی نے کہا ہاں اس کی ٹوپی بن جائے گی۔ چونکہ اس شخص کو یقین دلایا گیا تھا کہ درزی ضرور چور ہوتا ہے اس لئے اس نے خیال کیا کہ یہ کپڑا ایک ٹوپی سے زیادہ ہے اور درزی نے اندازہ لگاتے وقت یہ گنجائش رکھ لی ہے کہ اس کے لئے کچھ کپڑا بچ جائے اس لئے اس نے پھر دریافت کیا کہ کیا اس کپڑے کی دوٹوپیاں بن جائیں گی؟ درزی نے کہا ہاں! اِس کی دوٹوپیاں بن جائیں گی۔ جب درزی نے یہ کہا کہ اس کی دو ٹوپیاں بن جائیں گی تو چونکہ اس کے استاد نے اسے یقین دلایا ہوا تھا کہ درزی ہمیشہ کچھ کپڑا بچا لیتا ہے اس لئے اس نے پھر یہی سوچا کہ شاید تین ٹوپیاں بن جائیں اس لئے اس نے درزی سے کہا کیا اس کی تین ٹوپیاں بن جائیں گی؟ اس نے کہا ہاں اس کی تین ٹوپیاں بن جائیں گی۔ درزی کا یہ جواب سن کر اس کا شبہ یقین سے بدل گیا اور اس نے خیال کیا کہ اگر میں ایک ٹوپی بنواتا تو درزی دوٹوپیوں کا کپڑا چرا لیتا اور اگر میں دوٹوپیاں بنواتا تو ایک ٹوپی کا کپڑا درزی نے رکھ لینا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ کپڑے میں اب بھی گنجائش موجود ہے اور چوتھی ٹوپی بن سکتی ہے۔ ورنہ درزی یہ نہ کہتا کہ اس کی تین ٹوپیاں بن جائیں گی۔ اس نے اپنے لئے بھی تو کپڑا بچانا ہے۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ کیا اس کی چار ٹوپیاں بن جائیں گی؟ تو درزی نے کہا ہاں اس کی چار ٹوپیاں بن جائیں گی۔ اس پر اس کا شبہ اَور بڑھ گیا اور اس نے خیال کیا کہ اب بھی کچھ کپڑا بچ جائے گا اس لئے اس نے پھر دریافت کیا کہ کیا اس کی پانچ ٹوپیاں بن جائیں گی؟ درزی نے کہا ہاں اس کی پانچ ٹوپیاں بن جائیں گی۔ اس نے خیال کیا جب درزی پانچ ٹوپیاں بنانی مانتا ہے تو اس کی چھ ٹوپیاں بھی بن سکتی ہیں میں کیوں نہ چھ ٹوپیاں بنوالوں۔ اس لئے اس نے کہا کیا اس کی چھ ٹوپیاں بن سکتی ہیں؟ تو درزی نے کہا ہاں اس کی چھ ٹوپیاں بن سکتی ہیں۔ اسے اب بھی یقین تھا کہ درزی نے کپڑا ضرور بچایا ہے۔ اس لئے اس نے پھر دریافت کیا کہ کیا اس کی سات ٹوپیاں بن سکتی ہیں؟ تو

درزی نے جواب دیا ہاں اس کی سات ٹوپیاں بن سکتی ہیں۔ اس نے پھر خیال کیا کہ درزی نے اب بھی کپڑا بچالیا ہے اس لئے اس نے پھر کہا کہ اس کی آٹھ ٹوپیاں بن سکتی ہیں؟ تو درزی نے کہا ہاں اس کی آٹھ ٹوپیاں بھی بن سکتی ہیں۔ اب اُسے شرم آئی اور اس نے کہا اگر یہ آٹھ ٹوپیوں کے بعد بھی کپڑا چُراتا ہے تو چُرالے۔ اس نے درزی سے کہا یہ ٹوپیاں کب تک تیار ہوجائیں گی؟ اس نے کہا آٹھ دن کے بعد آنا اور ٹوپیاں لے جانا۔ چنانچہ وہ آٹھ دن کے بعد واپس آیا۔ درزی نے ٹوپیاں تیار کی ہوئی تھیں مگر وہ نہایت چھوٹی چھوٹی تھیں جیسے انگشتانے1 ہوتے ہیں وہ یہ ٹوپیاں دیکھ کر حیران ہوا اور کہا تو نے میرا کپڑا خراب کر دیا ہے۔ درزی نے کہا آپ نے خود کہا تھا کہ اس کپڑے سے آٹھ ٹوپیاں بنادو سومَیں نے آٹھ ٹوپیاں بنا دی ہیں اور اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ میں نے اس کپڑے میں سے ایک دھجّی2 بھی ضائع کی ہے تو میں مجرم ہوں گا مگر جب اس کپڑے کی آٹھ ٹوپیاں بنیں گی تو اتنے سائز کی ہی بنیں گی چنانچہ وہ شرمندہ ہوکر واپس چلا گیا اور بدظنی کی سزا پالی۔

غرض اگر خالی عقل ہی استعمال کی جائے تو یہ انسان کو جنون کی طرف لے جاتی ہے۔ اِسی طرح خالی محبت انسان کو احمق اور جاہل بنا دیتی ہے۔ مثلاً کسی کی بیوی جھوٹ بولتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ تمہاری بیوی نے جھوٹ بولا ہے تو وہ انہیں گالیاں دینی شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے میری بیوی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ بیٹا چوری کرتا ہے اور لوگ کہتے ہیں تمہارے بیٹے نے چوری کی ہے تو وہ انہیں بُرا بھلا کہنے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے میرا بیٹا ایسا نہیں کرتا۔ اس نے ان کے دل چیر کر نہیں دیکھے ہوتے بلکہ اُس کا علم محض محبت تک محدود ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ یہ میری بیوی ہے اس لئے وہ جھوٹ نہیں بول سکتی۔ چونکہ یہ میرا بیٹا ہے اس لئے یہ چوری نہیں کرسکتا۔ غرض محبت میں انتہا کو پہنچ جانا انسان کو حماقت تک پہنچا دیتا ہے۔ پس اگر محض عقل سے کام لیا جائے تو اوہام اور شبہات ترقی کرتے جاتے ہیں اور اگر خالی محبت سے کام لیا جائے تو انسان احمق اور جاہل بن کر رہ جاتا ہے۔ سارا محلّہ بدگوئی کررہا ہوتا ہے کہ فلاں کی بیوی جھوٹ بولتی ہے لیکن یہ خوش ہورہا ہوتا ہے کہ اسے اس سے زیادہ نعمت اَور کیا ملے گی۔ جیسی بیوی اسے ملی ہے ویسی اور کسی کو نہیں مل سکتی۔ لیکن مومن کا طریق ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔ مومن نہ تو محبت

کونظر انداز کرتا ہے اور نہ عقل کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ ہر بات کو جانچنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر ان صحیح ذرائع سے جو خدا تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں کام لے کر فیصلہ کرتا ہے۔ وہ حُسنِ ظنی سے بھی کام لیتا ہے اور بلا وجہ شبہات سے بچنے کی بھی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے جب تک کوئی بات مجھ پر اچھی طرح واضح نہ ہو جائے میں اسے نہیں مانتا۔ مثلاً اگر کوئی کہتا ہے کہ تمہاری بیوی نے ایسا کیا ہے تو وہ کہے گا ہر ایک کی بیوی ایسا کرسکتی ہے۔ اگر تم ثابت کر دو کہ میری بیوی نے ایسا کیا ہے تو میں مان لوں گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس کے بیٹے کے متعلق شکایت کرتا ہے کہ اس نے چوری کی ہے تو وہ کہے گا ہر ایک کا بیٹا ایسا کرسکتا ہے بلکہ نبیوں کے بیٹے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر تم ثابت کر دو گے کہ میرے بیٹے نے واقعی طور پر چوری کی ہے تو میں اسے سزا دوں گا۔ غرض نہ تو وہ محبت میں اتنا آگے چلا جاتا ہے کہ وہ اسے حماقت کے گڑھے میں گرا دے اور نہ وہ محض عقل سے کام لیتا ہے کہ وہ وہم اور وسوسہ میں پڑ کر جنون کی حد تک پہنچ جائے۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو عقل اور محبت کے درمیان توازن قائم نہیں رکھتا۔ یا تو وہ اس طرف چلے جاتے ہیں کہ بھائیوں پر بدظنی کرنے لگ جاتے ہیں اور جب بھی وہ اپنے بھائی کے متعلق کوئی بُری بات سنتے ہیں تو اُسے فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ عقل کی بات یہی ہے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے۔ یا مثلاً ان میں سے کسی کا دوست کوئی الزام لگاتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے دوست نے یہ بات کہی ہے اس لئے سچی ہے۔ حالانکہ وہ دوست جھوٹا ہوتا ہے اور اتنا جھوٹا ہوتا ہے کہ ہم مان ہی نہیں سکتے کہ اسے معلوم نہ ہو کہ اُس کا دوست جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن چونکہ وہ دوست ہوتا ہے اس لئے وہ اس کی بات مان لینے پر تیار ہو جاتا ہے اور دوسرا آدمی کتنا بھی سچا ہو وہ اس پر الزام لگائے جاتا ہے۔ گویا اس کے نزدیک نیکی کا معیار یہ ہوتا ہے کہ دوسرا آدمی اُس کا دوست ہے اور دشمنی کا معیار یہ ہوتا ہے دوسرا آدمی ناواقف ہے یا دوست نہیں ہے۔ گویا سچائی کا تعلق خدا تعالیٰ سے نہیں، اُس کے رسول سے نہیں بلکہ اُس شخص سے ہے۔ حالانکہ اصل سچائی یہ ہے کہ جتنا کوئی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے قریب ہوگا وہ سچا ہوگا۔ لیکن اس کے نزدیک اصل سچائی یہ ہے کہ جتنا کوئی اُس کے نزدیک ہوگا اُتنا ہی وہ سچا ہوگا۔ اگر مسیلمہ کذّاب بھی اس کے قریب ہے تو وہ سچا ہے اور اگر

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس سے دور ہیں تو وہ نَعُوْذُ بِاللّٰہ جھوٹے ہیں۔

خدا تعالیٰ خود اپنی ذات میں روشنی ہے۔ اس روشنی سے تم جتنے دور ہو گے اُتنے ہی اندھیرے میں جاؤ گے۔ لیکن جس چیز کا تعلق روشنی سے نہیں اُس سے دور جانے والے روشنی سے دُور نہیں جائیں گے۔ مثلاً اگر تم سورج سے اپنے آپ کو دور کر لیتے ہو تو تم اندھیرے میں چلے جاؤ گے۔ لیکن اگر باپ کی طرف پیٹھ کر لو گے تو روشنی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تمہیں ساری چیزیں نظر آتی رہیں گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سورج ماں باپ کی طرح قابلِ ادب نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے اس میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس سے نور وابستہ ہے اور یہ خاصیت ماں باپ میں نہیں پائی جاتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ماں باپ خواہ تم پر سختی کریں، تمہارے ساتھ بدسلوکی کریں تم انہیں اُف تک نہ کہو۔ 3 پھر خدا تعالیٰ نے ہر جگہ ماں باپ کو توحید کے ساتھ رکھا ہے۔ گویا اس نے ان کے وجود کو اپنے ساتھ ملایا ہے۔ اگر کلمہ میں اس نے اپنی توحید کے ساتھ رسول کو ملایا ہے تو تفصیلی احکامات میں ہر جگہ توحید کے ساتھ ساتھ ماں باپ کا ذکر کیا ہے۔ غرض جو قدر ماں باپ کی ہے وہ سورج کی نہیں۔ لیکن سورج میں خدا تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ روشنی دیتا ہے۔ اگر تم لحاف میں منہ کر لو یا پردہ میں چلے جاؤ تو تم اندھیرے میں چلے جاؤ گے۔ لیکن ماں باپ میں یہ خاصیت نہیں پائی جاتی۔ تم بے شک اُن کی طرف پیٹھ کر لو تمہیں ساری چیزیں نظر آتی رہیں گی۔ پس ماں باپ کا مقام الگ ہے اور سورج کا مقام الگ ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا یہ مقام ہے کہ اُس سے تم جتنا دور جاؤ گے اُتنا ہی سچائی سے دور جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو یہ مقام حاصل نہیں۔

اِسی طرح دین کا مقام ہے۔ دین سچائیوں کا مجموعہ ہے۔ اور جو شخص سچائیوں کے مجموعہ سے دور ہو گا وہ جھوٹ کی طرف چلا جائے گا۔ فرض کرو قرآن کریم میں دس ہزار سچائیاں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان دس ہزار سچائیوں میں سے پانچ ہزار سچائیوں کو مانتا ہے تو سیدھی بات ہے کہ وہ باقی پانچ ہزار سچائیوں کا منکر ہے۔ اسی طرح اگر وہ 1/4 ہزار سچائیوں کو مانتا ہے تو ساڑھے سات ہزار سچائیاں ایسی رہ جائیں گی جن کا وہ منکر ہو گا۔ یا اگر وہ 1/10 سچائیوں کا قائل ہے تو نو ہزار سچائیاں باقی رہ جائیں گی جن کا وہ منکر ہو گا۔ لیکن ماں باپ یا کسی دوسرے رشتہ دار کو اس چیز کے

ساتھ کوئی تعلق نہیں، ان سے خواہ تم کتنا دور رہو سچائی تمہارے ساتھ رہے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ اگر کوئی بیٹا باپ کا مخالف ہو جائے گا تو چونکہ خدا تعالیٰ نے ماں باپ کے ادب کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے وہ ایک سچائی کا منکر ہوگا۔ باقی سچائیاں اس کے ساتھ رہیں گی۔ پس یہ حماقت ہے کہ انسان محض محبت کا خیال رکھے اور عقل سے کام نہ لے کیونکہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ محبت انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔

ہمارے ملک میں ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک لڑکے کو چوری کی عادت پڑ گئی تھی۔ ایک دفعہ جب وہ چوری کرنے کے لئے گیا تو اس نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس کی وجہ سے اسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ یوں قانون تو نہیں لیکن رواج ہے کہ پھانسی دینے سے قبل مجرم سے کہا جاتا ہے کہ اگر اس کی کوئی خواہش ہو تو اس کا اظہار کر دے۔ اِسی طرح اس لڑکے سے بھی کہا گیا کہ اگر تمہاری کوئی خواہش ہے تو بتا دو تو اُس نے کہا میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں میری خواہش ہے کہ آخری بار میں اُس سے ملاقات کرلوں۔ چنانچہ اس کی ماں کو بلایا گیا۔ لڑکے نے کہا میں اپنی ماں کے کان میں کچھ کہنا چاہتا ہوں مجھے اجازت دی جائے۔ چنانچہ اُسے اجازت دے دی گئی۔ لیکن جونہی ماں نے اپنا کان اُس کے منہ کے قریب کیا اُس نے اس کے کلّے پر زور سے دانت مارے اور گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے اُنہوں نے کہا کم بخت! تجھے معلوم ہے کہ کل تجھے پھانسی کی سزا دے دی جائے گی پھر تُو نے آخری وقت میں اپنی ماں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ اِس وقت تو خدا تعالیٰ کا کچھ خوف کیا ہوتا۔ اُس لڑکے نے کہا میں نے کل اپنی ماں کے فعلوں کی وجہ سے پھانسی کی سزا پائی ہے۔ میں بچپن میں اپنے ساتھیوں کو دِق کرنے کے لئے ان کی پنسلیں اور دواتیں اٹھا لایا کرتا تھا اور جب مالک ہمارے گھر آتا اور اِس سے کہتا کہ تمہارے بیٹے نے میری فلاں فلاں چیز چرائی ہے وہ مجھے دے دو۔ تو یہ اُسے گالیاں دیتی اور کہتی تم نے کیا میرے بیٹے کو چور سمجھ رکھا ہے؟ چنانچہ وہ واپس چلا جاتا اور وہ چیزیں میرے کام آتیں۔ اِس طرح آہستہ آہستہ مجھے چوری کی عادت پڑ گئی۔ اگر اسے پتا لگ جاتا کہ کسی کی کوئی چیز میرے پاس موجود ہے تو بسا اوقات اسے چھپاتی تا مالک معلوم نہ کر سکے کہ میں نے اس کا سامان چرایا ہے اور اس طرح اس بُری عادت میں میری مدد کرتی۔ پھر مدرسہ کی چوریوں سے

بڑی چوریوں کی عادت پڑی۔ اور ایک چوری کے موقع پر میں نے ایک شخص کو مار دیا جس کی وجہ سے کل مجھے پھانسی کی سزا ملے گی۔ پس اس پھانسی کا موجب میری ماں ہے۔

غرض محبت یعنی غلط محبت بعض اوقات انسان کو پھانسی تک لے جاتی ہے۔ سمجھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ اپنے دوست یا عزیز سے ہمدردی کر رہا ہے لیکن وہ اسے تباہ کر رہا ہوتا ہے۔ پس جہاں محبت انسان کو حماقت میں مبتلا کر دیتی ہے وہاں عقل انسان کو وہم میں مبتلا کر دیتی ہے اور کسی دوست یا رشتہ دار کے پاس اس کا اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ بیوی مٹھائی بناتی ہے تو وہ سمجھتا ہے شاید اس نے اس میں زہر ملا دیا ہو۔ اور جب وہ محبت کو عقل کے ساتھ نہیں ملاتا تو عقل آوارہ ہو جاتی ہے۔ میں نے یہاں دیکھا ہے کہ لوگ عام طور پر بدظنی میں مبتلا ہیں۔ کارکن ماتحتوں کے معاملات پر ہمدردانہ غور نہیں کرتے اور یہ کوشش نہیں کرتے کہ وہ دوسرے سے معاملہ کرتے وقت حُسنِ ظنی سے کام لیں اور جب تک کوئی ثبوت نہ ملے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ اِسی طرح دوسرے لوگ ہیں ہر ایک کو یہ خیال ہے کہ کارکن ان کے ساتھ بے ایمانی کرتے ہیں۔ لوگ آتے ہیں اور میرے پاس شکایات کرتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں ان کی شکایات سے متأثر ہو جاتا ہوں۔ لیکن اکثر دفعہ جب تحقیقات کی جاتی ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے محض بدظنی سے کام لیا ہے ورنہ بات کچھ بھی نہیں ہوتی۔ حالانکہ مومنوں کے آپس کے تعلقات ایسے ہونے چاہییں کہ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ 4 گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ اس میں کوئی رخنہ نہیں۔ اگر تمہارے آپس کے تعلقات ایسے نہیں ہونگے تو تمہاری طاقت ضائع ہو جائے گی۔ جب تم اپنے ساتھی پر بدظنی کرو گے تو تم دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ میرے ساتھی نے میرے ساتھ کون سی نیکی کی ہے کہ میں اس کے لئے قربانی کروں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن کو موقع مل جائے گا اور وہ تمہیں ایک ایک کر کے مار دے گا اور تبلیغ رُک جائے گی۔ کیونکہ جس شخص کو بدظنی کی عادت ہوتی ہے وہ اُسے اپنے دوستوں میں پھیلاتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ فلاں بڑا بے ایمان ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ وہ ان سے ہمدردی کر رہا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ دوستوں سے دشمنوں کی طرف جاتا ہے اور انہیں کہتا ہے فلاں بڑا بے ایمان ہے۔ اور جب دشمن کو یہ پتا لگ جاتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں پھَٹ گئے ہیں

اور اگر میں نے ان میں سے کسی کو مارا تو دوسرا اسے بچائے گا نہیں تو وہ سمجھتا ہے اب موقع ہے کہ میں ان پر حملہ کر دوں۔ پس اگرچہ عقل اور محبت اپنی اپنی جگہ نہایت اہم ہیں لیکن بڑی چیز ان کے درمیان توازن قائم رکھنا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تُو محبت کر لیکن ایک حد تک کر۔ کیونکہ جس سے تُو محبت کر رہا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دن تمہارا دشمن ہو جائے۔ پھر فرماتے ہیں تُو دشمنی بھی کر لیکن ایک حد تک کر کیونکہ بہت ممکن ہے کہ جس سے تُو دشمنی کر رہا ہے وہ تمہارا دوست بن جائے۔5 محبت کا سب سے بڑا نمونہ میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ لوگ شادیاں کرتے ہیں تو محبت سے ہی کرتے ہیں ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر نہیں کرتے۔ پھر ولیمے ہوتے ہیں لوگ ایک دوسرے کو مبارکبادی دیتے ہیں۔ لیکن انہی شادیوں کے بعد بعض اوقات طلاق اور خلع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس وقت کہاں جاتی ہیں وہ خوشیاں اور کہاں جاتے ہیں وہ ولیمے۔ بسا اوقات خاوند بیویوں کو قتل کر دیتے ہیں اور بیویاں خاوندوں کو زہر دے دیتی ہیں۔ لیکن کیا شادی کے دن بھی اس کا کوئی شائبہ نظر آتا ہے؟ کسی گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو کتنی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ کسی کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ خوشی کا موجب ہوگا بھی یا نہیں۔ ابوجہل جب پیدا ہوا تو کتنی خوشیاں منائی گئی ہوں گی۔ اگر پیدائش کے وقت یہ پتا لگ جاتا کہ ابوجہل بڑا ہو کر خدا تعالیٰ کے رسول کی مخالفت کرے گا تو والدین بجائے خوشی منانے کے اُس کا گلا گھونٹ دیتے۔ فرعون جب پیدا ہوا تو ماں باپ نے کتنی خوشیاں منائی ہوں گی۔ لیکن کسی کو کیا پتا تھا کہ وہ بڑا ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرے گا۔ اگر پیدائش کے وقت یہ پتا لگ جاتا کہ فرعون بڑا ہو کر خدا تعالیٰ کے ایک نبی کا مقابلہ کرے گا تو والدین شاید اُس کا گلا گھونٹ دیتے۔ اِسی طرح نمرود اور شدّاد جب پیدا ہوئے تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ بڑے ہو کر کیا بنیں گے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک حد کے اندر دوستی کرو۔ اور اگر تم اس دوستی کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے الگ ہو جاتے ہو تو یہ دوستی کسی کام کی نہیں۔ اِسی طرح فرمایا اگر تم دشمنی کرتے ہو تو ایک حد کے اندر کرو اور عقل سے کرو۔ کیونکہ اگر تم دشمنی کو انتہاء تک پہنچا دو گے تو ہوسکتا ہے کہ جس سے تمہاری دشمنی ہو وہ تمہارا دوست بن جائے۔ اگر تم اُس کے خلاف ہر جگہ پروپیگنڈا کرتے پھرو گے تو وقت آنے

پر وہ تمہارا مُمِدّ ومعاون نہیں بن سکے گا۔اس کی حمایت تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی۔کیونکہ تم نے خود ہی اس کے خلاف پروپیگنڈا کر کے اس کے رُعب کو کم کر دیا ہوگا۔ پھر خدا تعالیٰ کا غضب الگ ہوگا کہ تم نے ایک شخص سے ناجائز حد تک دشمنی کی۔ پس تم ہمیشہ اپنے کاموں کے اندر محبت اور عقل کا توازن قائم رکھو۔اگر تم عقل میں حد سے آگے گزر جاؤ گے تو تم وہم میں مبتلا ہو جاؤ گے۔اور اگر محبت میں انتہاء کو پہنچ جاؤ گے تو وہ حماقت بن جائے گی اور یہ دونوں باتیں بُری ہیں۔" (الفضل 20مارچ 1952ء)

1: **اُنگشتانے**: اُنگشتانہ کی جمع، دھات کی بنی ہوئی ٹوپی جسے کپڑا سیتے وقت انگلی میں پہن لیتے ہیں۔(فیروز اللغات اردو جامع مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

2: **دھجّی**: کپڑے یا کاغذ کی کترن۔ پرزہ۔ٹکڑا۔چیتھڑا۔(فیروز اللغات اردو جامع مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

3: اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (بنی اسرائیل:24)

4: الصّف:5

5: ترمذی ابواب الْبِرّ وَ الصّلَة باب مَاجَاءَ فِی الْاِقْتِصَادِ فِی الْحُبِّ وَ الْبُغْضِ۔